R. NO. 218/57　　　　REGD. N.L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۸۔ شمارہ ۱۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ مارچ ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

دہلی میں غالب صدی کی تقریبات

(۳)

پروفیسر شمیل کے بعد رالف رسل نے غالب اور ۱۸۵۷ء پر اپنا مقالہ پڑھا۔ رسل نے شروع میں غالب کے ان خطوط کا ذکر کیا جو نواب یوسف علی خاں ناظم کو لکھے گئے تھے اور جنھیں نواب صاحب نے غالب کے کہنے سے ضائع کر دیا تھا۔ غالباً ان میں باغیوں سے بیزاری کا اظہار نہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے دستنبو کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ اگرچہ اس میں غالب نے اس زمانے کی مجبوریوں کا خیال رکھا مگر بعض بیانات میں خاصی جرأت اظہار ملتی ہے۔ آخر میں انھوں نے ان اردو خطوط کا حوالہ دیا جن میں غالب نے دہلی کی بربادی کا ماتم کیا ہے۔ رالف رسل کے بعد ڈاکٹر داؤد رہبر نے جو بوسٹن یونی ورسٹی میں اس وقت تحقیق کر رہے ہیں، غالب کے مذہبی خیالات کا جائزہ لیا۔ انھوں نے غالب کے یہاں ایک بنیادی مذہبیت پر زور دیا اور اس سلسلے میں ان کے بہت سے شوخ اشاروں کی تاویل کی۔ ڈاکٹر رہبر نے ان کے اردو خطوط کے اقتباسات سے اپنے خیالات کو واضح کیا۔ رہبر نے خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ مکمل کر لیا ہے اور اب وہ دوسری جلد کے ترجمے میں مصروف ہیں۔ پروفیسر یان مارک نے جو پراگ چیکوسلوواکیہ سے آئے ہوئے تھے، غالب کی حب الوطنی پر اپنا مقالہ پڑھا اور غالب کے اشعار اور خطوط میں ہندوستانی شہروں، دریاؤں، موسموں اور پھلوں کے متعلق جو گہرا لگاؤ ملتا ہے اس پر خصوصی طور سے زور دیا۔ ڈاکٹر سکو چودن نے جو سوویٹ یونین کے نمائندے تھے پہلے اس کام کا ذکر کیا جو غالب کے سلسلے میں روس میں ہو رہا ہے اور پھر اس ادبی روایت کی روشنی میں جو غالب کے زمانے میں عام تھی، غالب کی انفرادیت کو پرکھنے کی ضرورت ظاہر کی۔ انھوں نے غالب کے عطیہ کا سائنسی تجزیہ کرنے کی بھی تلقین کی۔ پہلے دن کا سیمینار اس مقالے کے بعد ختم ہو گیا۔ رات میں کنٹک کیندر کی طرف سے "ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے" کے عنوان سے ایک بیلے پیش کیا گیا۔ سارے بیلے کے دوران رفعت سروش کا منظوم تعارف و تبصرہ چلتا رہا۔ رفعت سروش کے اشعار صاف ستھرے اور قابل قدر تھے۔ شبیر احمد نے غالب کی غزلیں بڑی خوبی سے گائیں۔ برجو مہاراج کا ناچ بھی قابل تعریف تھا۔ مگر مجموعی طور پر یہ محسوس ہوا کہ بغیر کسی قصے کے صرف چند غزلوں کی مدد سے بیلے تسلی بخش نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی بیلے کا آخری حصہ اثر انگیز تھا۔

۱۸ر فروری کے صبح کے سیمینار میں سب سے پہلے بابا جان غفوروف نے مقالہ پڑھا جس میں روس میں غالب کی مقبولیت کے اسباب بیان کئے گئے تھے۔ انھوں نے غالب کی فکر کی تازگی، ان کی گہری انسان دوستی اور خارجی حقائق کی اندرونی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت پر زور دیا۔ انھوں نے غالب اور پشکن میں بعض مماثلتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ روسیوں کو غالب بھی پشکن کی طرح اپنا شناسا معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر بوسانی نے غالب پر بیدل کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ بیدل کے اثر کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بغیر ہو سکتا تھا کہ غالب کا اردو اور فارسی کلام ناقابل فہم رہ جاتا۔ بیدل کے ذریعہ سے ہی غالب نے اپنی منزل پائی جس کی وجہ سے اردو شاعری میں ان کا کارنامہ اتنا عظیم ہے۔ پروفیسر بوسانی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ غالب نے سبک ہندی کی آبرو بڑھائی۔ مسز للینا جشنووا نے جو چیکوسلوواکیہ سے آئی تھیں اور جنھوں نے غالب کی پچاس سے زیادہ غزلوں کا چیک زبان میں ترجمہ کیا ہے، بے خاص طور پر اس کا

اعتراف کیا کہ غالب کی شاعری کے مطالعے سے انھیں یہ احساس ہوا کہ غالب نے زندگی کیوں اور زندگی کیسے کے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ دوسری زبانوں کے جاننے والوں کے لئے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی سوالات انھیں جدید بناتے ہیں اور انھیں کی بنا پر ان کے یہاں موجودہ دور کے فلسفۂ وجودیت کا سایہ سا نظر آتا ہے یہ ہر چہ گہرے مطالعے کا نتیجہ تھا۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے غالب کے کلام سے ایسی مثالیں پیش کیں جن میں حرکت اور قوت کا اظہار کیا گیا ہے انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ غالب کے یہاں شوق، تمنا، آرزو، موج اور ہنگامہ ان کے ایک مخصوص رجحان کو ظاہر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے غالب کا مسلک دائمی آرزومندی قرار دیا۔ سہ پہر کے اجلاس میں سب سے پہلے پروفیسر عبدالقادر سروری نے غالب کے اردو کلام کی شرحوں کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ھگول شرن اپادھیائے غالب اور ان کے عہد پر ایک بصیرت افروز مقالہ پڑھا۔ انھوں نے غالب کو تلسی داس اور ٹیگور کے درمیان کے عہد کا سب سے بڑا ہندوستانی شاعر قرار دیا۔ پروفیسر آل احمد سرور نے غالب کے ابتدائی کلام کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے غالب کے یہاں ان عناصر کی نشاندہی کی جو جدید ذہن کو خاص طور سے متاثر کرتے ہیں۔ انھوں نے غالب کی مشکل پسندی کو ایک بلند پایہ اور ہمہ جہت ذہن کا کرشمہ بتایا جو سادگی کے بجائے پیچیدگی کو پسند کرتا ہے اور غالب کی ہر رنگ اور ہر حال میں زندگی اور فن سے وفاداری پر زور دیا جس کی وجہ سے ان کی اپیل آفاقی اور دائمی ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے برہان قاطع اور قاطع برہان میں مشابہتوں کی بہت سی مثالیں پیش کیں رات میں حبیب تنویر کا ڈرامہ میرے بعد ہوا۔ اس ڈرامے سے لوگوں کو بہت توقعات تھیں، مگر افسوس ہے کہ اول تو یہ بہت لمبا تھا، دوسرے اس میں حبیب تنویر زیادہ تر اپنا پارٹ پڑھتے رہے اور تیسرے اس میں واقعات کی کثرت اور غیر ضروری ادبی بحثوں کی شمولیت نے ڈرامے کا ستیاناس کر دیا۔ اگر یہ ڈرامہ دو گھنٹے کا ہوتا اور اداکاروں کو اپنے پارٹ یاد ہوتے تو یہ بہت بہتر معلوم ہوتا۔

(باقی)

غالب کے نام پر قربانی

مئو ناتھ بھنجن، ۲۰ فروری "جشن غالب صدی" کے سلسلہ میں یہاں کے ادبی ادارہ دانش کدہ لائبریری نے ایک پیش قدمی کی ہے۔ اس ادارہ کی طرف سے عید الضحیٰ کے موقع پر مرزا اسد اللہ خاں غالب کے نام پر بکرے کی قربانی پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ ان کی مغفرت کا سامان ہو

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں غالب صدی تقریب

علی گڑھ:۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے ۱۷، ۱۸ اور ۱۹ مارچ کو غالب صدی تقریب کے سلسلے میں ایک سہ روزہ تقریب ہوگی۔ پہلے دن افتتاحیہ اجلاس ہوگا اسی شب ایک کل ہند مشاعرہ بھی منعقد ہوگا اس سلسلے میں غالب کے مندرجہ ذیل مصرعے بطور طرح دئے گئے ہیں۔

(۱) آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

(۲) درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا وچہ دیں

(۳) دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچئے

دوسرے اور تیسرے دن غالب کی عظمت کے عنوان پر ایک سیمنار ہوگا جس میں غالب کے فکر و فن پر علی گڑھ اور بیرون علی گڑھ کے ممتاز اسکالر اپنے مقالات پڑھیں گے۔ غالب صدی تقریب کے موقع پر علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کا اجرا بھی ہوگا نیز اس موقع پر آثار غالب سے متعلق ایک نمائش بھی ہوگی۔

ایرانی سفارت خانہ کی جانب سے کبیر احمد جائسی کو انعام

دہلی: غالب صدی کی تقریبات کے سلسلہ میں ایرانی سفارت خانہ نے فارسی میں ایک بین الجامعاتی مقابلہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس مقابلہ میں نوجوان ادیب و شاعر اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ فارسی کے ریسرچ فیلو کبیر احمد جائسی انعام کے مستحق قرار دئے گئے ہیں۔ یہ انعام شعبہ کی ایک تقریب میں سفارت خانہ کے ذمہ داروں کے ذریعہ ان کو دیا جائے گا۔ (نامہ نگار)

ساہتیہ اکیڈمی کے فیلو

دہلی: حکومت ہند نے ملک کے ۴ ممتاز ادیبوں کو ساہتیہ اکیڈمی کا فیلو منتخب کیا ہے۔ ان ادیبوں میں سابق گورنر جنرل سی۔ راجگوپال اچاری، بنگالی ادیب تارا شنکر اپادھیائے، ہندی شاعر سمترا نندن پنت اور ایک کنڑی مصنف شامل ہیں۔ سابق صدر ہندوستان ایس۔ رادھا کرشنن ساہتیہ اکیڈمی کے پہلے فیلو ہیں۔

بھوپال اور غالب

بھوپال: شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال نے غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک گراں قدر کتاب "بھوپال اور غالب" شائع کی ہے جس کے مصنف صدر شعبۂ اردو جناب عبدالقوی دسنوی ہیں۔ مصنف نے غالب اور بھوپال کے ربط پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کی اہمیت اور خوبصورتی میں مزید اضافہ غالب کے شاگردوں اور ملاقاتیوں کی تصاویر سے ہو گیا ہے۔

(نامہ نگار)

سید محمد منظور الحسن

غالب کا نسب نامہ

غالب کس قوم، کس خاندان کس نسل سے تعلق رکھتے تھے یہ ایک سوال ہے جس کا جواب خود غالب نے متعدد موقعوں پر دیا ہے۔ غالب کے ان ہی بیانات کی روشنی میں ان کے سوانح نگاروں نے ان کے حالات لکھے ہیں۔ ان کے اب وجد کا ہندوستان سے تعلق واضح کیا ہے غالب نے اپنا سلسلہ نسب تورا ابن فریدون سے ملایا ہے ایک قطعہ میں رقمطراز ہیں:

غالب از خاک پاک تورانیم
لاجرم در نسب فرہ مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمی
بہ سترگان قوم پیوندیم
ایبکیم از جماعۂ اتراک
در تمامی زماہ دہ چندیم
فن آبائے ما کشاورزیست
مرزبان زادۂ سمرقندیم
ور زمعنی سخن گذارد دہ
خود چہ گوئیم تا چہ و چندیم
فیض حق را کمینہ شاگردیم
عقل کل را بہینہ فرزندیم
ہم بتابش بہ برق ہم تقسیم
ہم بہ بخشش بہ ابر مانندیم
بہ تماشاگہست فرزندیم
بہ معاشگہ نیست خرسندیم
ہمہ بر خویشتن ہمی گریم
ہمہ بر روزگار می خندیم

مندرجہ بالا قطعہ سے دوسری باتوں کے علاوہ آنا پتہ چلتا ہے کہ غالب تورانی النسل ہیں اور ترکوں کے ایبک قوم سے تعلق رکھتے ہیں سمرقند کے مرزبان زادہ ہیں۔

لیکن غالب نے اپنے حالات اور اپنی سوانح نثر میں ذرا تفصیل سے لکھی ہے اظہار الحق ملک نے "غالب کے خود نوشت حالات" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جو احوال غالب (مرتبہ مختار الدین احمد صاحب) شامل ہے اس مقالہ میں انھوں نے تذکرہ مظہر العجائب سے غالب کے خود کی عکسی تحریر بطور ثبوت پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو غالب لکھتے ہیں:

"اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ غالب تخلص قوم کا ترک سلجوقی سلطان برکیارق سلجوقی کی اولاد میں سے اس کا دادا قوقان بیگ خان شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی میں آیا پچاس گھوڑے اور نقارہ نشان سے بادشاہ کا نوکر ہوا پہاسو کا پرگنہ جو اب سمرو کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا وہ اس کی جاداد میں مقرر تھا باپ اسد اللہ بیگ خان مذکور کا دلی کی ریاست چھوڑ کر اکبرآباد میں جا رہا اسد اللہ خان اکبرآباد میں پیدا ہوا۔ عبد اللہ بیگ خان الور میں راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا اور وہاں ایک لڑائی میں بہت بہادری سے مارا گیا۔"

غالب کے اس بیان سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) غالب ترکی النسل تھے (۲) ان کا تعلق سلطان برکیارق سلجوقی سے تھا (۳) ان کے دادا کا نام قوقان بیگ خان تھا جو شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے دلی آئے (۴) غالب کے والد کا نام عبد اللہ بیگ خان تھا جو دلی چھوڑ کر اکبرآباد میں سکونت پذیر ہوئے اور الور میں راجہ بختاور سنگھ کے نوکر ہوئے۔

غالب کے خاندان اور ان کی نسل کے بارے میں کم و بیش یہی باتیں یادگار غالب میں حالی نے آثار غالب میں اکرام نے اور ذکر غالب میں مالک رام نے لکھی ہیں لیکن قدرے مختلف بیان اس سلسلے میں خواجہ قمر الدین راقم کا ملتا ہے۔ اس لئے راقم کے تفریح اور توضیح سے قبل بہتر یہ ہے کہ حالی، اکرام اور مالک کی تحریروں سے اقتباس پیش کر دیا جائے کیونکہ ان کی موجودگی میں راقم کے اعتراضات اور ان کے دلائل کا موازنہ و مقابلہ آسان ہوگا اور یہ پتہ لگ سکے گا کہ واقعی درست بیان کس کا ہے خود غالب اور ان کے سوانح نگاروں کا یا راقم کا

حالی لکھتے ہیں۔ "مرزا کے خاندان و اصل و گوہر کا حال جیسا کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا ظاہر

پروفیسر سید حسن

نذر غالب

(ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز۔ غالب)

غالب ترا کلام ہے جان سخن ہنوز
نغموں سے تیرے مست ہے ہر انجمن ہنوز
ثانی ترا نہ دہر میں اس کو کوئی ملا
دن رات جستجو میں ہے چرخ کہن ہنوز
تھا آگرے کا لال تو دلی کا اک چراغ
سونی ہے تیرے بعد فضائے چمن ہنوز
تیرے سواد شعر میں کتنی ہے تازگی
چھڑکے ہے جان شوق سے مشک ختن ہنوز
کیا کیا ہوئیں غزل میں نہ جدت طرازیاں
مقبول خاص و عام ہے تیرا ہی فن ہنوز
سو سال سے ہے کوشش تقلید گو بہت
پایا کسی نے بھی نہ ترا بانکپن ہنوز
تیری زمیں میں شعر بھلا کب وہ کہہ سکے
مشق سخن میں خام ہے سید حسن ہنوز

گیا ہے یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد ایبک قوم کے ترک تھے اور ان کا سلسلہ نسب تور ابن فریدون تک پہنچتا ہے جب کیانی تمام ایران و توران پر مسلط ہو گئے اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہو گیا تو ایک مدت دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی مگر تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹی کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے متروکہ میں سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا اور کل مال و اسباب دیگر بار بیٹی کے حصے میں آتا تھا بارے ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بخت خفتہ نے پھر کروٹ بدلی اور سلجوقی خاندان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی کئی سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم (یعنی ایشائے کوچک) پر حکمراں رہے آخر ایک مدت کے بعد سلجوقیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سلجوقی کی اولاد جا بجا منتشر اور پراگندہ ہو گئی ان ہی میں سے ترسم خان نام کے ایک امیر زادے نے سمرقند میں بود و باش اختیار کر لی تھی مرزا کے دادا جو شاہ عالم کے زمانہ میں سمرقند سے ہندوستان آئے وہ اسی ترسم خان کی اولاد میں تھے مرزا مہر نیم روز کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔ "از داستان این قافلہ نیاگان من کہ در قلمرو ماورا النہر سمرقند شہر ستودا راہی دست بود و چوں سیل از بالا بہ پستی آید از سمرقند بہ ہند آمد" اور دستنبو کادیانی میں اس طرح لکھا ہے "بالجملہ سلجوقیان بعد زوال و بر ہم خوردن ہنگامہ سلطنت در اقلیم وسیع الفضائے ماورا النہر پراگندہ شدند از انجملہ سلطان زادہ ترسم خان کہ نیا از تخمہ اوئیم سمرقند را بہر اقامت گزیدہ و در عہد سلطنت شاہ عالم نیائے من از سمرقند بہ ہندوستان آمد"

(یادگار غالب ص ۹-۱۰)

حالی نے اپنے اس بیان میں مرزا کی دو کتاب مہر نیم روز اور دستنبو کادیانی سے حوالے دئے ہیں اس سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرزا کے اجداد میں ترسم خاں نامی ایک شخص تھے جو سمرقند میں رہتے تھے لیکن دوسری باتیں بعینہ وہی ہیں جو غالب کے مذکورہ خط سے معلوم ہوتی ہیں۔

مسٹر اکرام نے آثار غالب ص ۸ پر یہی بات لکھی ہے۔ ان کے دادا ان کے پہلے بزرگ تھے جنھوں نے مرزا کی پیدائش سے پچاس ساٹھ سال پہلے سمرقند چھوڑ کر ہندوستان میں رہائش اختیار کی۔

مالک رام لکھتے ہیں......... اس آخری گروہ میں سے خاندان شاہی کے ایک نام لیوا ترسم خاں تھے انھوں نے سمرقند میں اقامت اختیار کی۔ یہی ترسم خاں مرزا غالب کے پردادا ہیں" ص ۵۱ ذکر غالب مرزا غالب کے دادا قوقان بیگ خان تھے وہ اپنے باپ سے ناراض ہو کر شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے ہندوستان چلے آئے وہ صرف ترکی بولتے تھے اور ہندوستانی برائے نام جانتے تھے (ص ۱۲ ذکر غالب حاشیہ پر حوالہ اس طرح درج کیا ہے ص ۱۲ ۔ دستنبو کادیانی ص ۲۶ ص ۱۰ احوال غالب ص ۱۲ ، ص ۱۳ ، ۲ کلیات نثر غالب ص ۱۶۱ (خط بنام مولوی سراج الدین احمد) ص ۱۶ ۲ یہ غالب کا اپنا بیان ہے اور انھوں نے متعدد مقامات پر یہی لکھا ہے اس کے برخلاف مولانا مہر کی تحقیق یہ ہے کہ شاہ عالم کی جگہ محمد شاہ چاہیے (غالب ص ۱۰) میں غالب کے اپنے بیان کو ترجیح دیتا ہوں ص ۱۳ ۲ دستنبو کادیانی ص ۴۴-۵۵

مالک رام کی اس توضیح سے بھی پتہ چلتا ہے کہ غالب کے اجداد میں ترسم خاں ایک شخص تھے ان کے دادا کا نام قوقان بیگ خان تھا اور ان کے دادا ہی شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے ہندوستان آئے۔

اب ذرا خواجہ قمر الدین راقم کا بیان ملاحظہ ہو۔ "مرزا غالب کا نسب نامہ" کے عنوان سے آپ کا ایک مقالہ احوال غالب مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو میں شامل ہے۔ احوال غالب کے ص ۲۹ پر یہ درج ہے۔

"اگرچہ مولوی الطاف حسین حالی نے اپنی تصنیف یادگار غالب میں استاد کا نسب نامہ باختصار لکھا ہے مگر وہ بھی ادھورا استاد کی زبانی سنا یا لکھا ہے کس لئے کہ نسب کا پورا حال غالب کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ وہ خود ہندوستان میں پیدا پیدا ہوئے اور ان کے اب و عم ان کی طفلی میں مر گئے تھے اور خاندانی شجرہ راقم کے دادا خواجہ مرزا حاجی خاں کے پاس تھا جو رشتہ میں غالب کے بھائی ہوتے تھے غالب کی پرورش کرتے رہے غالب نے جس قدر بھائی کی زبانی سنا تھا جا بجا اپنی تصنیف میں اسی کا ذکر کیا ہے اور اپنی نسل فریدوں کی نسل میں بیان کی ہے"

"ہماری اور غالب کی اصل نژاد سلاطین توران میں ہے جس زمانہ میں تورانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا بیخ و بنیاد بھی نہ رہی تو ہمارے خاندان کے لوگ اس طوائف الملوکی میں جا بجا منتشر ہو گئے اور جس نے جہاں امن پائی جا بسا چنانچہ کوئی سو پچاس پشت کے بعد اس خاندان میں

دو برادران حقیقی جن کا نام راقم کو یاد نہیں، ان کی اولاد میں دو فرزند تولد ہوئے بڑے بھائی کا بیٹا ترسم خاں اور چھوٹے بھائی کا بیٹا رستم خاں تھا ہنوز یہ دونوں بھائی شباب کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے والدین فوت ہوگئے یہ دونوں کسی حالت میں اضلاع سمرقند میں آکر آباد ہوئے پھر ایک مدت کے بعد بدخشاں میں آکر رہے یہ وہ زمانہ ہے کہ ترکستان میں نور اسلام مثل پرتو خورشید منور ہو رہا تھا یہ دونوں بھائی بھی شرف اسلام سے فیضیاب ہوئے اور ترسم خاں نے بدخشاں کے کسی شریف خاندان میں نکاح کرلیا۔ ترسم خاں کی اولاد میں تین دختر اور دو فرزند پیدا ہوئے ایک فرزند کا نام نصر اللہ بیگ خاں تھا اور دوسرے کا عبد اللہ بیگ خاں" ترسم خاں کے انتقال کے بعد رستم خاں بخارا چلے آئے اور خواجہ عبید اللہ احرار کے گھرانے میں بیاہے گئے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام قطب الدین خاں رکھا گیا قطب الدین خاں بھی بالغ ہونے کے پہلے یتیم و یسیر ہو گئے قطب الدین خاں کا عقد بھی اسی خاندان میں ہوا اور ایک لڑکا حاجی خاں تولد ہوا جو سن بلوغ تک پہنچنے کے قریب ہو کر والدین کے سایہ سے محروم ہو گیا جب اس کی خبر نصر اللہ بیگ خاں اور عبد اللہ بیگ خاں کو ملی تو مع اپنی بہنوں کے بھتیجے کے پاس آکر باہم مشورہ کرکے ہندوستان آئے پہلے سمرقند آئے پھر شاہجہاں آباد میں مقیم ہوئے یہ زمانہ شاہ عالم کی سلطنت کا تھا۔

برہم ناتھ دت قاصر

نذر غالب

فصل بہار میں ہے یہ نشو و نمائے گل
یکساں بندھی ہے دشت و چمن میں ہوائے گل
وہ بلبل حزیں ہوں جسے باغ دہر میں
داغ جگر ہوئے ہیں عنایت بجائے گل
آنکھیں مری کھلی ہیں اسیری میں ہم صفیر
کنج قفس میں خاک کہوں ماجرائے گل
فطری جمال و جذب و کشش میں کمی نہیں
ہر چند چاک چاک ہے یکسر قبائے گل
آئے وہ رشک باغ جو گل گشت کے لئے
شرمندگی سے سر نہ چمن میں اٹھائے گل
ثمر پائدار خیر یہاں بے ثبات کیوں
قائم ہے خار اور ہے یک شب بقائے گل
بلبل کی آنکھ سے کوئی نظارہ تو کرے
پھیلی ہے صحن باغ میں ہر سو ضیائے گل
آواز عندلیب میں ہے رنگ عندلیب
ہے رنگ و بو کے پردے میں گویا نوائے گل
اس حسن مستعار کی مہلت ہے ایک رات
بلبل کے سوز و ساز کو کیا دیکھ پائے گل
لکھے ہیں وصف کیا رخ رنگین یار کے
قاصر ترے قلم نے سراسر کھلائے گل

راقم کے مندرجہ بالا بیان کو ہم اس طرح بھی لکھ سکتے ہیں۔

(۱) حالی نے غالب کا جو نسب نامہ لکھا ہے وہ چونکہ سنا یا ہے اس لیے ادھورا ہے (۲) غالب کو خود بھی اپنا نسب نامہ معلوم نہ تھا کیونکہ ان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی اور ان کے اب وجد طفلی میں مر گئے تھے (۳) خاندانی شجرہ راقم کے دادا حاجی خاں کے پاس تھا حاجی خاں ہی سے غالب نے تھوڑا بہت سنا تھا۔ (۴) تورانی سلطنت کے خاتمہ کے بعد دو سگے بھائی جن کا نام راقم کو یاد نہیں کی نسل میں دو لڑکے ہوئے بڑے کا نام ترسم خاں اور چھوٹے کا نام رستم خاں تھا جو والدین کی وفات کے بعد سمرقند میں رہنے لگے پھر بدخشاں منتقل ہو گئے (۵) ترسم خاں نے بدخشاں ہی میں اسلام قبول کیا اور ایک شریف خاندان میں بیاہے گئے جس سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے ایک کا نام عبد اللہ بیگ اور دوسرے کا نصر اللہ بیگ رکھا (۶) رستم خاں نے خواجہ عبید اللہ احرار کے گھرانے میں شادی کی اور قطب الدین خاں کے باپ بنے۔ پھر قطب الدین خاں کے ایک لڑکا ہوا جس کا نام حاجی خاں رکھا گیا۔ (۷) قطب الدین خاں کی وفات کے بعد عبد اللہ بیگ خاں اور نصر اللہ بیگ خاں اپنے بھتیجے مرزا حاجی خاں کے پاس آئے اور باہم مشورہ کرکے ہندوستان چلے آئے۔ حاجی خاں نے ہی غالب کی پرورش کی۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مرزا حاجی خاں جن کے پاس

باقی صفحہ ۱۱

مراسلات

غالبیات

مرحوم اختر شیرانی کے رسالے بہارستان لاہور بابت جون ۱۹۲۶ء میں ایک گمنام مضمون نگار حضرت ضاحک "مطائبات" کے زیر عنوان لکھتے ہیں

مدفن غالب پر ایک صاحب نے انکشاف کیا جہاں وہ مزار پر استبداد زمانہ سے نہیں بلکہ بے پروائی سے اور کس مپرسی کی وجہ سے مرغالب ہو کر صرف فن غالب باقی رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی وہ ویسے بھی باقی رہتا۔ عاکف صاحب کی خوش قسمتی ہے اب ان کے منہ میں غالب کی زبان ہے اس غزل کو بقول بیدل مرحوم "سلسلۂ عواکف" کی صرف پہلی کڑی سمجھنا چاہیے۔

دل ریشہ ہائے خار جنون خزاں نہ دیکھ
امکان ذراز خیرہ سران جہاں نہ دیکھ
لعل گداختہ نہیں نصل نشتر دار
سودائے صد در رنگ سے قفل مکاں دیکھ
یاں لاکھ لاکھ جیسز حیراں میں کاخ خور
واں ہے گرد ڈباد رفہ امتحاں نہ دیکھ
عارض پژردہ ماتم دنداں خس خمار
قتل شرارہ لابت رنگ بتاں نہ دیکھ
تو گر نہیں ہے شرزہ پندار جم پناہ
خلخال پا سے پھر کلمات دخاں نہ دیکھ
سکان عرش ماندہ شاخ ہی سہی
علم الکلام نطق سے گر سو بیاں نہ دیکھ
چشم غزال عشق ہے انہار التقا
یک مشت بوریا کے لئے پرنیاں نہ دیکھ
غالب تو دہلوی ہے مگر میں ہوں جہلوی
تو میری تڑ کو دیکھ ہے اس کا بیاں نہ دیکھ

دوسرے مہینے یعنی جولائی ۱۹۲۶ء کے شمارے میں اس عنوان کے ماتحت یہ دوسری بے معنی غزل شائع ہوئی۔

ہمزبان غالب کا نقش ثانی

خلال ثریا نہ لامکاں کا	جنوں تخنگہ اختلال جہاں کا
ہمارا تو دل یک جہاں لپند غالب	حصول انفرادی بیلقاں کا
زلیخا پیلپے سرا بلباں کی	فلک جز و مطلق جہول بتاں کا
زمیں اگر فرہاد سے جلد جو ہے	یہ شیریں زبانی ورزم لامکاں کا
خدا چاہتا ہے شریک عددی	تنقدے یک جرعہ تلازم نشاں کا

وہ تو تازہ تیر کا دس دم ہے کہ خاک گم مرکب بے عناں کے
نغوں سے حاصل بجز قطرہ گل خدا قسمت کو تشنہ رہ یکساں کا

(سید حسن)

دیوان غالب کا جواب

(۱) ریاض خیرآبادی نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں مظفر علی خاں اسیر لکھنوی کی شاگردی کے بعد غالب کے اردو کلام کو سامنے رکھ کر ایک پورا "جوابی دیوان" لکھ ڈالا جس کے بارے میں انھوں نے اپنے خود نوشت حالات میں لکھا ہے کہ تلف کر دیا گیا۔

(۲) تقریباً سو صفحات کا یہ مسودہ جو ریاض خیرآبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور قریب قریب مکمل ہے اس میں غالب کی تمام زمینوں میں اسی رنگ کی غزلیں موجود ہیں اور یہ دیوان قطعاً غیر مطبوعہ ہے اس کی کوئی غزل ابھی تک نہیں چھپی ہے۔ اس مخطوطے کی یہ اہمیت بھی ہے کہ یہ ریاض کا ابتدائی کلام ہے اور غیر مطبوعہ!

(۳) دسمبر ۱۹۶۸ء کے آخری ہفتے میں یہ تاریخی مخطوطہ میں نے حضرت انیم خیرآبادی (خلف وسیم خیرآبادی) کے ذخیرے میں تلاش کیا ہے اور اب میرے قبضہ میں ہے۔ حضرت انیم خیرآبادی سابق یا حال کسی قسم کے تعلقدار نہیں ہیں۔

(۴) ریاض خیرآبادی کے اس تاریخی مخطوطے کے متعلق میرا تحقیقی مضمون نقوش لاہور کے "غالب نمبر" میں زیر اشاعت ہے۔

(نادم سیتاپوری)

غالب سے متعلق ذکا نیلوری کا قطعہ

میں ایس۔ وی۔ یونی ورسٹی ترپتی TIRUPATI (A.P.) سے محمد حبیب اللہ ذکا (نیلوری) کی ادبی خدمات پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ ذکا بحیثیت شاگرد غالب باخبر حلقوں میں اب نامانوس نہیں رہے۔ ذکا نے اپنے فارسی مجموعہ نظم و نثر "خاش و خاش" میں ایک فارسی تاریخی قطعہ لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

گذشت از جہاں آں جہان سخن
کہ می گفتمش عرفی و طالب است
خرد گفت سالش ریاض جناں
کراں تا کراں مسکن غالب است

اس قطعہ پر حسب ذیل نوٹ بھی لکھا ہے۔

"حاشیہ در ۱۲۸۳ خبر رحلت حضرت غالب کہ در اصل غلط بود شہرت یافتہ بود و آنگاہ ایں قطعہ تاریخ نوشتہ شدہ بود"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس غلط خبر سے متاثر ہو کر ذکا

نے یہ قطعہ لکھا ہے اس خبر کی تاریخی حقیقت کیا ہے؟ کیا کسی اور شاگرد نے یا کسی اور نے بھی اس طرح کا کوئی خیال ظاہر کیا ہے اہل علم سے گزارش ہے کہ اس ضمن میں مجھے اپنی معلومات سے مستفید فرمائیں۔ (عبدالوہاب تسنیم)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے حالات زندگی

کلام غالب کے "نسخۂ حمیدیہ" کی ترتیب نو کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کی زندگی کی چند تفصیلات درکار ہیں

(۱) عبدالرحمٰن صاحب کا مقام پیدائش (کیا سیوہارا میں پیدا ہوئے؟)

(۲) والد کا نام اور ان کے مشاغل

(۳) ابتدائی تعلیم کے مراحل کہاں طے ہوئے

(۴) علی گڑھ کالج کب پہونچے اور کب تک وہاں رہے۔

(۵) یورپ کب روانہ ہوئے اور کب واپس آئے

(۶) بیرسٹری کی تعلیم انگلستان میں کہاں حاصل کی اور کب فارغ ہوئے۔

(۷) جرمنی میں تحقیق کا موضوع کیا تھا اور کب ڈگری حاصل کی۔

(۸) ہندوستان واپس آنے کے بعد کہاں قیام رہا اور کیا مشاغل رہے۔

اس سلسلے میں جو بھی مفید معلومات دستیاب ہوں، ازراہ کرم قارئین "ہماری زبان" یا تو "ہماری زبان" کے ذریعے یا براہ راست راقم الحروف کو مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کرنے کی زحمت کریں۔ (ڈاکٹر سید حامد حسین

E ۱۴۶/۵ پروفیسرس کالونی

بھوپال ۳)

فارسی میں ڈی لٹ تہران (خارجی)

۲۲ر جنوری ۱۹۶۹ء کے ہماری زبان میں کسی واقف صاحب کا مراسلہ متذکرہ بالا موضوع سے متعلق شائع ہوا ہے۔

واقف صاحب کے لئے مزید اطلاعاً عرض ہے کہ تہران یونی ورسٹی کا کیلنڈر میرے پاس ہے یہ کیلنڈر اس سال کا ہے اور یہ تہران یونی ورسٹی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگر موصوف دیکھنا چاہیں تو حیدر آباد تشریف لے آئیں۔ یا مدیر ہماری زبان اپنے پرچے میں اس کا عکس شائع کرنا چاہیں تو میں متعلقہ حصے کی فوٹو اسٹیٹ نقل بھیجنے کو تیار ہوں۔

تہران یونی ورسٹی کے متذکرہ کورس کو دیکھنے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد یہ بخوبی واضح ہو جاتا کہ متذکرہ کورس نہایت بے حقیقت ہے۔ لیکن کچھ لوگ اسے دیدہ دلیری سے کام لے کر ڈی لٹ (تہران) کے نام سے موسوم کرتے ہوئے اپنی تعلیمی لیاقت کے بارے میں غلط اطلاعات دے کر کس طرح اپنی یونی ورسٹی کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کو اندھیر میں رکھتے ہیں یہ حضرات اپنے نام نامی کے ساتھ ڈاکٹر ڈی لٹ (تہران) لکھنے سے نہ صرف یہ کہ عار نہیں کرتے بلکہ اصرار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اس ڈی لٹ کی نوعیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ (غلام محمد ڈاگر)

پاکستان کے کتب و رسائل کی فراہمی کے بارے میں

ہندوستان میں رہنے والے بھائی بہن اگر پاکستانی کتب و رسائل منگوانا چاہیں تو مندرجہ ذیل پتہ پر لکھیں۔

محمد اسلم ایم۔ اے۔ مکان نمبر ۶۶۶ وارڈ نمبر ۷ محلہ جھک نزد مہاراجہ اندرون پاک گیٹ ملتان پاکستان۔

حیدرآباد میں غالب صدی تقریب

حیدرآباد: جشن غالب کمیٹی آندھرا پردیش کے زیر اہتمام ۱۵ فروری کو ۱۰ بجے صبح اردو ہال حمایت نگر میں عظیم الشان پیمانہ پر ادبی اجلاس ہوا۔ حیدرآباد میں کئی کانفرنسیں اور کئی جلسے منعقد ہوئے لیکن اتنی کثیر تعداد میں علم و ادب کا ذوق رکھنے والے حضرات نے شرکت نہیں کی جتنی کہ اردو ہال میں غالب صدی تقاریب کے سلسلے میں منعقدہ جلسہ یاد غالب میں موجود تھے۔ اس یادگار اور عظیم جلسہ میں شرکت کر کے ہزاروں پرستاران غالب نے مرزا غالب کو بصد احترام خراج عقیدت پیش کیا۔ اجتماع کا یہ عالم تھا کہ اردو ہال تنگ دامانی کی شکایت کر رہا تھا جس کے باعث لوگوں نے ہال کے باہر کھڑے رہ کر تقریریں سنیں جلسہ یاد غالب کی صدارت ممتاز مفکر ڈاکٹر سید عبداللطیف نے کی۔ ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری پرو وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جناب بدرالدین طیب جی سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی نے مرزا غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ غالب کی یاد ان کے فن پر فخر اور ان کے خیالات سے فائدہ ہم اس وقت اٹھا سکتے ہیں جب کہ اردو کی قدر اس کی مقبولیت اور اس کی پڑھائی اسی کھلے دل سے کی جائے جیسے کہ ہم غالب کی یاد منا رہے ہیں۔ مرکز میں اور سارے ہندوستان کی ریاستوں میں یہ کام کرنے کا فرض حکومت پر عاید ہوتا ہے۔ ریاستی وزیر برائے اطلاعات جناب جے وی نرسنگ راؤ نے اپنی تعارفی تقریر میں کہا کہ اردو کے ممتاز شاعر غالب کی یاد میں ہم جمع ہوئے ہیں غالب میموریل کمیٹی کی جانب سے غالب کی صد سالہ تقاریب کو عظیم الشان پیمانہ پر منایا جا رہا ہے تاکہ غالب کی یاد مناتے ہوئے اردو زبان اور ادب کی ترقی کے لئے کچھ ٹھوس کام انجام دئے جائیں۔

جناب ایم۔ اے۔ انصاری پرو وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ شعر و فلسفہ کے امتزاج کو غالب نے معراج پر پہونچا دیا تھا سلطنت نے اردو شاعری کو ساتھ ساتھ ہمیں ورثہ میں غالب بھی دیا ہے۔ جناب انصاری نے اردو کو خاندان مشترکہ کی بنیاد قرار دیا اور کہا کہ میں اس شہر میں جس کی تہذیب و تمدن ساری دنیا میں مشہور ہے غالب صدی تقاریب کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے بعد ضیاءالدین شکیب، ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس ایوننگ کالج اور ڈاکٹر ظ۔ انصاری نے غالب کے فکر و فن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب عابد علی جنرل سکریٹری نے غالب صدی تقاریب حیدرآباد میں صد سالہ تقاریب کے پروگرام کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سال ایک عظیم مشاعرہ کے ذریعہ اس کا آغاز ہوا جس میں اردو کے ممتاز شاعر فیض احمد فیض نے شرکت کی اور آج اسی کے دوسرے پروگرام کے تحت یہ ادبی اجلاس منعقد ہوا۔ اس ادبی اجلاس کے کنوینر جناب سری نواس لاہوٹی تھے۔ ادبی اجلاس کے بعد ۴ بجے شام میں درگاہ یوسفین میں فاتحہ خوانی اور مرحوم اساتذہ شعر فانی بدایونی، فصاحت جنگ جلیل، داغ دہلوی امجد اور نگ آبادی کی مزاروں پر چادر چڑھانے کی رسم ادا کی گئی اسی رات گاندھی بھون آڈیٹوریم میں شب غالب کا شایان شان پیمانہ پر رنگارنگ پروگرام پیش کیا گیا جس کی صدارت وزیر اطلاعات جناب کونڈہ لکشمن باپوجی نے کی۔ جناب بدرالدین طیب جی اس محفل شعر و نغمہ کے مہمان خصوصی تھے۔ (نامہ نگار)

غالب کا شعور زیست

حیدرآباد :- نقیب بزم اردو حیدرآباد کی جانب سے غالب صدی تقاریب کے سلسلے میں ۹ فروری ۱۹۶۹ء ڈیوڑھی نواب عنایت جنگ بہادر حویلی قدیم حیدرآباد ۱۱ بجے دن میں "غالب کا شعور زیست" کے زیر عنوان ایک سمینار منعقد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبۂ اردو

کشمیر یونیورسٹی نے کی۔ انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں مقام کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ یہیں پر میر انیس اور ان کے خاندان کے اکثر افراد نے اپنی مجلسیں پڑھی ہیں اور "جشن غالب" کے لئے اس سے زیادہ موزوں شہر کا اور کوئی دوسرا مقام نہیں۔ غالب ہمارے شاعر اعظم ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے زمانے سے بہت زیادہ آگے سوچنے والے شاعر تھے۔ پروفیسر سروری کے بعد جناب باقر امانت خانی صاحب نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا جسے سامعین نے کافی پسند فرمایا۔

سمینار کا آغاز جناب ضیاء الدین شکیب صاحب کی تقریر سے ہوا۔ شکیب صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک طرف تو "غالب" دوسری طرف "شعور" اور پھر "زیست" یہ تینوں بجائے خود ایسے فلسفیانہ موضوع ہیں جن کا بیک وقت الگ الگ صاف کرنا ممکن نہیں۔ انھوں نے کہا کہ غالب کی شاعری اور نثر ان کے شعور زیست کے مطالعے کا وسیلہ ہیں ان کے پاس شعور حیات کا احساس ۲۶، ۲۵ سال کی عمر ہی ملتا ہے۔ شاعری کو انھوں نے طرز زندگی بنایا اس لئے کہ انھیں سب سے پہلے جو احساس ہوا وہ یہ تھا کہ وہ شاعر ہیں اور ایک عظیم شاعر ہیں۔ اپنے کلام کے پہلے قدرداں اور ناقد خود غالب ہی تھے۔ انھیں زندگی کے حادثوں اور مصائب کا تاسف نہیں رہا وہ ہمیشہ مستقبل کی طرف دیکھتے رہے زندگی کا عرفان انھوں نے پہلی بار اپنے دور کے صوفیانہ ماحول سے حاصل کیا۔ انھوں نے آگے چل کر کہا کہ ظاہری طور پر غالب دین کے منکر شاعر تھے لیکن دراصل وہ بڑے خدا پرست شاعر تھے۔

ڈاکٹر مغنی تبسم نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر غالب کے تمام کلام کو سامنے رکھ کر ان کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی تعمیر میں نرگسیت اور خود اذیتی کے پہلو نمایاں ملیں گے غالب کا غم داخلی چیز ہے وہ ان کے دل کی تخلیق ہے انھیں غم کا ساتھ پسند ہے وہ قنوطی نہیں ہیں انھیں ناپائداری حیات کا شدید احساس تھا ایسی صورت میں الفت ہستی ناگزیر ہو جاتی ہے ہستی اور الفت ہستی کی ناگزیریت کا یہ عرفان اور احساس غالب کے شعور میں رچ بس گیا تھا۔ انھوں نے اپنے وجود کو اپنے لئے بامعنی بنانے کی کوشش کی اور اس جذبہ کو عشق کا نام دیا۔ غالب کا عشق "زندگی کرنے کا" ایک سلیقہ ہے یہ عشق تمنا آفریں ہے اور اس کا مطلوب و مقصود خود ان کی اپنی ذات ہے۔ غالب کے پاس خدا کا تصور عقیدے کے طور پر ملتا ہے لیکن وہ خدا سے اپنا کوئی رشتہ دریافت نہ کر سکے اور اس سے منحرف ہی رہے۔

ڈاکٹر انور معظم نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اگر غالب کے تمام کلام کو کسی ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ صرف "تمنا" ہے۔ اس لفظ کو ان کے کلام میں کلیدی حیثیت حاصل ہے آگے چل کر ڈاکٹر انور معظم نے کہا کہ غالب کا انداز عشق جداگانہ نوعیت کا تھا وہ میر کی طرح خود سپردگی کے قائل نہیں تھے انھوں نے کہا کہ غالب کا شعور زیست متحرک اور باعمل ہے غالب کے سیاسی اور سماجی حالات کا گہرا عکس بھی غالب کے کلام میں ملتا ہے اور غالب ایسا شاعر تھا جو ایک نئی اور خوبصورت زندگی کی آرزو اور لگن رکھتا تھا۔

اس سمینار کے آخری مقرر پروفیسر عالم خوندمیری تھے۔ انھوں نے کہا کہ غالب صرف مشاہدے کا ہی شاعر نہیں تھا بلکہ مجاہدے کا بھی شاعر تھا ہر چند کہ غالب مفکر شاعر نہیں تھا مگر وہ ایک شاعرانہ فلسفہ ضرور رکھتا تھا۔ غالب کے کلام میں اقبال سے زیادہ حرکت و حیات کا پیام ملتا ہے۔ بلکہ اقبال نے کئی مقامات پر غالب سے اکتساب کیا ہے۔ البتہ غالب اپنی مثنویوں اور قصیدوں میں مفکر بننے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ پروفیسر خوندمیری نے آگے چل کر کہا کہ شاعری ایک ذریعہ نجات ہے وہ مذہب، سیاست یا معیشت کا بدل نہیں۔

صدر جلسہ پروفیسر عبد القادر سروری نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ "غالب کا شعور زیست" ان کی شاعری کی حد تک بڑا بنیادی مسئلہ ہے۔ غالب کی شاعری کے دوسرے رجحانات جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی کے شاخسانے ہیں۔ غالب کے لئے بڑی مجبوری یہ تھی کہ انھوں نے غزل کی صنف کو اپنی شاعری کے لئے اپنایا۔ غزل کی صنف محبوب بھی رہی اور بدنام بھی جو غالب کے لئے ان کے زمانے یا دور میں سازگار نہ تھی لیکن غالب نے غزل کو شاعری کی آبرو قرار دیا اور امید مستقبل پر اپنے خیالات کا اظہار غزل کے سانچوں پر کرتے رہے۔ اس موقع پر حیدرآباد کے ممتاز ادیب، شاعر اور صحافی کافی تعداد میں شریک تھے۔ ابتدا میں باذل عباسی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور جاوید مقصود کے شکریہ پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

نقیب سحر کا مشاعرہ غالب:۔ اسی روز شام میں ایک طرحی مشاعرہ بھی ترتیب دیا گیا جس کی صدارت علامہ حیرت بدایونی نے فرمائی۔ مشاعرہ شب میں ساڑھے نو بجے شروع ہوا۔ سب سے پہلے جناب یعقوب عمر جامی نے غالب کی فارسی نظم "صبح بنارس" کا اردو منظوم ترجمہ پیش کیا۔ طرحی دور کا آغاز باذل عباسی کی غزل سے ہوا۔ مشاعرے میں حیدرآباد کے مشہور اور ممتاز شعرا کے علاوہ جناب مخدوم محی الدین، سلیمان اریب، شاذ تمکنت، اوج یعقوبی، ڈاکٹر مغنی تبسم، سعید شہیدی اور احمد جیش نے خصوصیت سے شرکت کی۔ رات میں تقریباً ڈیڑھ بجے اس یادگار

مشاعرے کا اختتام ہوا۔ اور جاوید مقصود معتمد بزم نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (نامہ نگار)

احمد آباد میں جشن غالب

احمد آباد: جشن غالب کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو احمد آباد کے زیر اہتمام ۱۹ فروری کی رات کو نو بجے جیوتی سنگھ ہال میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت سینٹ زیویر کالج کے پروفیسر جناب وارث حسین علوی (ابن حسین) نے کی۔ اس مشاعرے میں شہر کے سربرآوردہ افراد، وکلا، تاجر، ادیب و شعرا کثرت سے شریک ہوئے اور بڑے ہی صحت مند ماحول میں سامعین مشاعرے کا لطف اٹھاتے رہے۔ اس مشاعرے میں بیرونی شعرا ندا فاضلی، ممتاز راشد، کفیل آذر، رام لال ندیم اور نقش کانپوری کے علاوہ مقامی معتبر شعرا محمد علوی، عادل منصوری، جمیل قیصی، جمال قریشی، حزیں قریشی، رحمت امروہوی، سرشار بلند شہری، حافظ شمادری، نادم ندوری، خالد عرشی، جوزف انور، ہندی کے شعرا کشن تلوانی اور گردیپ جی نے اپنا کلام سنایا اور خوب داد پائی۔ اس سے قبل انجمن اسلام ہائی اسکول کے نذیر ہال میں صبح دس بجے غزل سرائی کا انعامی مقابلہ ہوا جس میں اردو مدارس کی پانچویں چھٹی اور ساتویں جماعت کے ۶۰ سے زیادہ طلبہ و طالبات نے غالب کی غزلیں پیش کیں۔ انعام حاصل کرنے والوں کے نام یہ ہیں

۱۔ کریم بھائی چھیپا پرائز ۔ سعید یعقوب
۲۔ منیشی پرائز ۔ رشید احمد
۳۔ شاہین پرائز ۔ جمیلہ قاضی

اس جشن کی دوسری نشست کی صدارت جناب عثمان غنی چھیپا ممبر اسکول بورڈ نے کی۔ اس جلسے کو کامیاب بنانے میں انجمن ترقی اردو احمد آباد کے سکریٹری رسول احمد شیخ اور مولانا فخر الدین صاحب ندوی پیش پیش تھے۔ (نامہ نگار)

رتناگیری میں غالب صدی تقریب

رتناگیری۔ گوگٹے کالج کے اردو ڈپارٹمنٹ کی طرف سے مورخہ ۱۵ فروری ۶۹ء کو دوپہر کے تین بجے غالب صدی تقریب منائی گئی۔ جس کی صدارت ڈاکٹر عبدالکریم نائیک ایم۔بی۔بی۔ایس نے کی۔ مہمان خصوصی میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ مسز میمونہ دلوی اور مسز روشن آرا نائیک قابل ذکر ہیں۔ مسز روشن آرا نائیک نے غالب کی غزلیں سنائیں۔ جناب بدیع الزماں خاور نے غالب پر مرثیہ نظم کا ترجمہ سنایا۔ پروفیسر ابراہیم شفیق نے اپنا ایک قطعہ اور غزل سنائی۔ اس موقع پر اردو ڈپارٹمنٹ کی طرف سے ایک غالب پرائز جاری کیا گیا۔ یہ پرائز کالج میں بی۔اے ڈگری میں اول نمبر سے کامیاب ہونے والے طالب علم کو دیا جائے گا۔ اسی شب اردو ادبی سرکل رتناگیری کی طرف سے کالج کے ہال میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ کی صدارت مسٹر عبدالستار دلوی نے کی۔ پروفیسر ابراہیم شفیق، بدیع الزماں خاور، فروغ نکہت، عارف سیمابی، شاکر بانکوٹی، آزاد بانکوٹی، آرزو دکنی، عبدالکریم صابر، عبداللہ ساجد، پرویز بانی، اقبال اختر، حمید ظہور، عباس مجرم، صابر جگناوی، عبداللطیف عاصی اور نیاز احمد پروانہ نے اپنا کلام سنایا۔

(پرویز جنرل سکریٹری اردو ادبی سرکل رتناگیری)

فاربس کالج میں جشن غالب

فاربس گنج: بزم اردو فاربس کالج کے زیر اہتمام مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو غالب کا جشن صد سالہ جناب پروفیسر طارق جمیل صاحب (پورنیہ کالج) کی صدارت میں منایا گیا۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا جس میں ہندی اور اردو کے شاعروں نے اپنے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ اس تقریب میں ہندی پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیوں نے بھی دل کھول کر غالب پر مقالے اور نظمیں لکھی تھیں چنانچہ اردو پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ ساتھ ہندی داں طالب علموں کو بھی تحریری اور تقریری مقابلوں میں اول اور دوم آنے پر انعامات دئے گئے۔ (سکریٹری بزم اردو)

پورنیہ سٹی ہائی اسکول میں جشن غالب

پورنیہ: سٹی اسکول کے ہال میں جناب وفا ملک پوری کے زیر صدارت ایک جلسہ ہوا۔ اسکول کے طلبہ نے اردو اور ہندی میں غالب پر مقالے پڑھے۔ جناب پروفیسر طارق جمیل صاحب نے غالب کی شخصیت اور شاعری میں خودداری کے عنوان سے ایک مختصر تقریر کی۔ آخر میں جناب صدر نے غالب کی شخصیت پر روشنی ڈالی۔

(احمد حسین جعفری سکریٹری)

غالب اکیڈمی کا افتتاح

نئی دہلی:۔ ۲۲؍ فروری صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے یہاں غالب اکیڈمی کا افتتاح کیا۔ اکیڈمی کی یہ عمارت مرزا غالب کے مزار کے برابر ۸ لاکھ روپیہ کی لاگت سے تیار کی گئی ہے۔ جس آراضی پر اکیڈمی بنی ہے وہ اکیڈمی کے صدر حکیم عبدالحمید کا عطیہ ہے۔ افتتاحی تقریب میں روس، اٹلی، انگلستان، چیکوسلاواکیہ، جرمنی کے دانشوروں اور ترکستان اور کویت کے علاوہ بعض دوسرے ممالک کے سفیروں نے شرکت کی۔ غیر ملکی دانشوروں کو غالب سے متعلق پانچ کتابیں جن کی رسم اجرا کل ہی ہوئی ہے پیش کی گئیں۔ اس موقع پر مرکزی وزیر ڈاکٹر تری گن سین اور جناب کرشنا مینن بھی موجود تھے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس توقع کا اظہار کیا کہ اکیڈمی پروان چڑھے گی اور غالب کی یاد تازہ رکھنے کے لئے یہ ایک نہایت ٹھوس اور مرزا جیسے شاعر کے شایان شان اقدام ہے۔ حکیم عبدالحمید نے تقریب کی صدارت کرتے ہوئے کہا غالب اور ان کے عہد سے متعلق تمام مواد کو مطالعہ غالب کے لئے اکٹھا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور مطبوعہ کتابوں کے علاوہ دوسرے ملکوں کی لائبریریوں میں موجود مخطوطات کے مائیکروفلم لینے کی بھی تجویز ہے۔ غالب اور ان کے عہد سے متعلق ہر ممکن چیز کو اکیڈمی کے میوزیم میں اکٹھا کر دیا جائے گا اور مرزا پر تحقیقات کے لئے ایک اچھی طرح سے آراستہ لائبریری بھی قائم کی جائے گی۔

انجمن ترقی اردو بنارس کی جانب سے مہاتما گاندھی کی یاد میں جلسہ

بنارس:۔ گاندھی جی کی یاد میں ایک جلسہ زیر صدارت جناب بیگم سلطانہ حیات صاحبہ منجانب انجمن ترقی اردو بنارس منعقد ہوا جس میں صدر موصوف نے فاضلانہ و موثر تقریر فرمائی اور گاندھی جی کے متعلق مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ان کی عظمت بیان کی اس کے بعد جناب پرنسپل نہال الدین صاحب و بابو شیو ناتھ پرشاد صاحب صدر انجمن یوپی نے بھی اس سلسلہ میں تقریر فرمائی اور جلسہ ختم ہوا۔ (ردا آنا رسول سکریٹری)

اردو اور دیگر اقلیتی زبانوں کے لئے قانونی سہولتوں کا مطالبہ

بھوپال:۔ مدھیہ پردیش جمعیۃ العلماء اور انڈو عرب کلچرل ایسوسی ایشن کے ایک مشترکہ وفد نے حاجی عیسیٰ بھائی اور خلیل بدری کی سرکردگی میں لسانی اقلیتی کمشنر سے دلبہ بھون میں ملاقات کی اور امور ذیل پر مشتمل ایک توجہ نامہ پیش کیا اور بعض نکات کی زبانی وضاحت بھی کی۔

(۱) چونکہ شہر بھوپال میں پچاس فی صدی لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اس لئے یہاں کے موجودہ پرائمری اور مڈل اسکولوں میں سے پچاس فیصدی اسکولوں کو فوراً اردو میڈیم اسکول قرار دیا جائے تاکہ دوران سال ایک زبان کے فارمولے کے تحت تبدیلی سے اردو پڑھنے والے طلبہ اور طالبات کا نقصان نہ ہو۔ (۲) ہائی اسکولوں اور جونیر کالجوں میں دوسری زبانوں کی طرح عربی، فارسی اور اردو کے لکچرار مقرر کئے جائیں کیونکہ ان زبانوں کے طلبہ کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے (۳) مدھیہ پردیش بورڈ کے امتحانات کے پرچے مختلف زبانوں کے میڈیم والوں کو انھیں کی زبان میں دئے جائیں۔ (۴) دیواس میں سات مڈل اسکول ہندی میڈیم کے اور ایک اردو میڈیم کا تھا لیکن بلا کسی وجہ کے اردو میڈیم اسکول کو بھی ہندی میڈیم کر دیا گیا ہے لہذا اردو میڈیم اسکول کو جلد از جلد بحال کیا جائے۔ (۵) مجھولی ضلع جبلپور میں دو سو طلبہ اردو پرائمری کے لئے تیار ہیں مگر حکومت نے اب تک باوجود مطالبہ اور یاددہانیوں کے اسکول نہیں کھولا (۶) گذشتہ سال اردو کے لئے چار لکچرار کا تقرر بجٹ میں رکھا گیا تھا لیکن کسی ایک کا بھی تقرر نہیں کیا گیا جو حیرتناک ہے لہذا مدھیہ پردیش کے تمام جونیر کالجوں میں اردو کے لکچرار مقرر کئے جائیں۔ (۷) ہائی اسکولوں اور جونیر کالجوں میں ہر سال پرنسپل صاحبان پہلے ہی سے زبانی اعلان کر دیتے ہیں کہ اردو عربی پڑھانے کا انتظام نہیں ہے۔ لہذا تمام اسکولوں اور جونیر کالجوں میں سیشن شروع ہونے سے قبل اردو اور عربی و فارسی کے اساتذہ کی مستقل تعیناتی ضروری ہے اور جو اردو، عربی، فارسی کے ٹیچرز عارضی طور پر متعین ہیں انھیں مستقل اپوائنٹڈ ٹیچروں یا لکچراروں کے انتظام ہونے تک برقرار رکھا جائے تاکہ طلبہ کا ان کے یک بیک ہٹائے جانے کی وجہ سے نقصان نہ ہو۔ (۸) سرکاری لائبریریوں اور میونسپل دارالمطالعوں میں اردو کی کتابوں اور اخبارات پچاس فیصدی کے تناسب سے فراہم کئے جائیں۔ (۹) مولانا آزاد سنٹرل لائبریری جو مولانا آزاد کے نام پر قائم کی گئی تھی اور جس کا مقصد اردو، عربی، فارسی میں ریسرچ کرنے والے لوگوں کو بہترین لٹریچر اور مواد فراہم کرنا تھا افسوس ہے کہ اس لائبریری میں گذشتہ چھ سالوں سے کوئی کتاب ان زبانوں کی نہیں منگوائی گئی جبکہ اس کا بجٹ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے اور اس لائبریری کی برسوں پرانی کتابوں سے آج بھی ساٹھ فی صدی لوگ اردو، عربی اور فارسی والے استفادہ کرتے ہیں لیکن انھیں نئی کتابیں پڑھنے کو نہیں ملتیں (۱۰) سرکاری

دفاتر اور عدالتوں میں اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں دفاتر داخلہ حکومت ہند کے جاری کردہ سرکلر کے ماتحت قبول کی جائیں (۱۱) بھوپال کے سرکاری دفاتر کے ساتھ بورڈوں اور شاہراہوں کی تختیوں پر ہندی کے ساتھ اردو بھی لکھی جائے چونکہ ان اعلانات کا مقصد عوام کی رہنمائی ہے اور موجودہ صورت میں عوام کا ایک بڑا طبقہ جس کی مادری زبان اردو ہے اور اس کی آبادی اس علاقہ میں پچاس فی صدی ہے اس رہبری سے محروم ہے اسی طرح کارپوریشن کی بسوں میں سفر کرنے والے لوگ نہیں جان سکتے کہ کونسی بس کہاں جاتی ہے۔ لہٰذا بسوں کے ٹائم ٹیبل اور ان کی تختیاں بھی ہندی اردو میں لگائی جائیں۔

شعبۂ فارسی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی ایک ادبی نشست

علی گڑھ ۲۶ فروری ۹۶ کی دوپہر میں شعبہ فارسی کی لٹریری سوسائٹی کی ایک نشست پروفیسر نذیر احمد کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں شعبہ کے ایک ریسرچ فیلو کبیر احمد جائسی نے اپنا مقالہ "غالب کی فارسی غزل گوئی" پڑھا۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے روش عام سے ہٹ کر غالب کی فارسی غزل گوئی کے تجزیہ کی کوشش کی تھی۔ اسی لئے اختتام مقالہ کے بعد اس مسئلہ پر دیر تک بحث ہوئی جس میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، ڈاکٹر شمعون اسرائیلی صاحب، ڈاکٹر نبی ہادی صاحب۔ ڈاکٹر وارث کرمانی صاحب، ڈاکٹر ممتاز علی خاں صاحب، ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی صاحب اور خواجہ مسعود علی ذوقی صاحب نے حصہ لیا۔ آخر میں مقالہ نگار نے اٹھائے گئے سوالات کا مختصر الفاظ میں جواب دیا جس کے بعد اس نشست کے برخاست ہونے کا اعلان کیا گیا۔

(شہاب الدین عراقی سکریٹری لٹریری سوسائٹی شعبۂ فارسی)

آمنہ ابوالحسن کے ناول کا خیر مقدم

حیدرآباد اردو کی ممتاز افسانہ نگار آمنہ ابوالحسن کے پہلے ناول "سیاہ مرغ سفید" کی اشاعت کے سلسلے میں حلقۂ فکر و فن حیدرآباد کے زیر اہتمام ایک خیر مقدمی تقریب کا انعقاد عمل میں آیا جس میں حیدرآباد کے ادیبوں، شاعروں، مفکرین اور دانشوروں نے شرکت کی اور آمنہ ابوالحسن کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر مغنی تبسم اور جناب احسن علی مرزا نے آمنہ کے فن اور شخصیت پر مضامین پڑھے۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اس ادبی اجتماع کی صدارت کی۔

(بشیر انور)

باقی صفحہ ۵ سے آگے

بقول راقم غالب کا خاندانی شجرہ تھا وہ راقم کے دادا تھے اور غالب کے رشتہ کے بھائی۔ راقم نے بھی وہ شجرہ بچپن میں دیکھا تھا جیسا کہ خود ان کا اپنا بیان ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں غالب کا بیان ہی زیادہ صحیح اور درست ہوسکتا ہے۔ کیونکہ غالب نے اگر ایسا ہی ہوگا تو اس عمر کو پہنچ کر جب وہ سن شعور کو پہنچ گئے ہوں گے جب کہ راقم نے بچپن میں شجرہ دیکھا تھا اس لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ بچپن کی دیکھی ہوئی ساری باتیں ان کے ذہن میں بعینہٖ موجود ہوں۔ پھر یہ کہ غالب نے لکھا ہے کہ ان کے دادا قوقان بیگ خان اپنے والد سے ناراض ہوکر شاہ عالم کے عہد میں ہندوستان آئے اور ترسم خاں ان کے اجداد میں ایک شخص تھے۔ اس کے برعکس راقم ترسم خاں کو غالب کا دادا کہتے ہیں اور یہ کہ ترسم خاں نومسلم تھے، جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ غالب کے دادا نومسلم نہیں تھے پھر راقم کے بیان کے مطابق غالب کے والد عبداللہ بیگ خاں ہندوستان آئے جبکہ تمام محققین غالب کے دادا کا ہندوستان آنا بتاتے ہیں۔ اس لئے میرے خیال میں غالب اور ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہی صحیح و درست ہے نہ کہ راقم کا۔ ہاں اس میں البتہ اختلاف ممکن ہوسکتا ہے کہ بجائے شاہ عالم کے عہد میں آنے محمد شاہ کے عہد میں آئے ہوں۔ جیسا کہ مولانا مہر نے لکھا ہے۔ لیکن یہاں بھی بقول مالک رام غالب کے بیان کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ ایک شخص خود اپنا حال لکھ رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ترسم خاں کو جو قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں سبھوں نے غالب کے اجداد میں شمار کیا ہے پھر غالب اتنے کمزور ذہن کے بھی نہیں تھے کہ اپنے دادا کا نام بھی نہ یاد رکھ سکتے ہوں ان کے اب و عم خواہ طفلی ہی میں کیوں نہ مر گئے ہوں لیکن ان سے غالب نے اپنے دادا کا نام یقیناً سنا ہوگا۔ غالب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ غلط بیانی سے کام لیتے۔ ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ غالب کی پرورش ان کی ننھیال میں ہوئی نہ کہ مرزا حاجی خاں نے ان کی پرورش کی جیسا کہ راقم نے دعویٰ کیا ہے۔

محققین ادب اردو کو اس جانب توجہ دینی چاہیے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کی